حافظ محمد عرفان الحق اظہار حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا سمیع الحق اور ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ کا دورۂ ایران

امام مسلم کے دیس خراسان (ایران) میں چند روز

(قسط نمبر ۶)

گلف ایئر لائن کا غیر ذمہ دارانہ رویہ:

مسجد گوہر شاد اور مرقد امام رضا کی زیارت کے بعد میں نے اپنے میزبان کو بتایا کہ ہمیں مشہد نکلنے سے قبل اپنے ٹکٹوں کی ری کنفرمیشن کروانی ہے تاکہ عین وقت پر گلف ایئر لائن والوں کی بدنظمی کا خمیازہ بھگتنا نہ پڑے۔ اس مقصد کے لئے ہم یہاں سے نکل کر ایک ٹریول ایجنٹ کے پاس گئے جس نے گلف ایئر لائن کے دفتر سے فون کے ذریعے اس کی ری کنفرمیشن کروانی چاہی لیکن فون پر مسئلہ حل نہ ہوسکا۔ سو مجبوراً ہمیں گلف ایئر لائن کے آفس جانا پڑا جو شہر کے وسط میں مین دور و معروف شاہراہ پر واقع تھا۔ آفس کے سامان اور ظاہری سجاوٹ سے اندازہ ہوا کہ یہ دفتر یہاں نیا نیا کھلا ہے۔ اس دفتر کا سارا کام مشہد کے دو مقامی ایرانی لڑکیوں نے سنبھال رکھا تھا۔ میں نے اپنی ٹکٹیں ایک لڑکی کو دیئے وہ شاید کمپیوٹر سے زیادہ واقف نہ تھی اس لئے کہ وہ بار بار کمپیوٹر پر آنے والی انفارمیشن اپنی دوسری کولیگ سے ڈسکس کر رہی تھی۔ تقریباً پون گھنٹہ آفس میں نکل جانے کے باوجود گلف ایئر لائن کی غیر ذمہ دارانہ رویہ بدنظمی اور بے حسی کی وجہ سے مسئلہ جوں کا توں رہا۔ جب سے گلف ایئر لائن کے مالک (جو ابوظہبی کا امیر تھا) نے اپنے شیئرز اس ایئر لائن سے نکالے اور زیادہ تر حصص بحرین کے رہ گئے تب سے اس میں بدنظمی اور غیر ذمہ داری کی حد نہ رہی۔ میں نے واپس آکر ساری صورتحال سے شیخین کو آگاہ کیا انہوں نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ پاکستان کی کنفرمیشن پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہیے۔ ایک بجے کے قریب ہم یہاں سے تائباد کے سفر پر روانہ ہوئے۔ مشہد سے نکل کر اب ہم ایک ویران صحرائی سڑک پر روانہ تھے۔

<u>لطیفہ:</u> دوران سفر میں نے اپنے میزبان سے پوچھنا چاہا کہ یہ کون سا سڑک ہے فارسی میں سڑک کو جادہ کہتے ہیں۔ میرے منہ سے بجائے جادہ کے سجادہ نکلا۔ سجادہ جائے نماز کو کہتے ہیں۔ ہمارے میزبان سمجھے کہ یہ سجادہ کا معنی پوچھنا چاہتا ہے تو اس نے کہا کہ جائے نماز کو کہتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ نہیں میں جادہ کہنا چاہتا تھا نہ کہ سجادہ۔ اس پر

سب ساتھی بے اختیار ہنسے۔ حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ تو وہ بات ہوئی

چہ خوش گفت است سعدی درزلیخا الایا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا

صحرائی علاقوں سے حج کی یاد:

دوران سفر راستے میں صحرائی اور خشک پہاڑی سلسلوں کو دیکھ کر مولانا سمیع الحق صاحب نے کہا کہ ان مناظر کو دیکھ کر انسان کو حج کا سفر یاد آجاتا ہے۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے اسی طرح کے چٹیل پہاڑی اور صحرائی سلسلوں سے گزر ہوتا ہے۔ حجاج اور معتمرین لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک کا ورد ترنم اور سرور کے ساتھ کرتے ہوئے گزرتے ہیں۔ بعض حجاج اللہ اکبر کبیرا، سبحان اللہ بکرة واصیلا والحمدللہ کثیرا، کا ورد کرتے ہیں۔ عجیب عشق وجنوں، مستی اور جذبے کا عالم ہوتا ہے۔ مولانا صاحب نے مزید کہا کہ جب انسان پہلی دفعہ حرمین جاتا ہے تو عجیب قسم کی دلی کیفیات اور جذبات ہوتے ہیں۔ ہم جب پہلی دفعہ ۱۹۶۳ء میں گئے تو بڑے کٹھن اور سخت مراحل ومشکلات سے گزر کر پہنچے۔ تاہم وہاں پہنچ کر وہ سب تکالیف بھول گئے۔

مولانا شیر علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ یقیناً انسان کا تمنائے دل جب بھر آئے تو اس کے حصول میں پیش آنے والے مشکلات ہیچ نظر آتے ہیں۔

راستے میں بعض بستیوں میں لہلہاتے کھیتوں سے بھی گزر ہوا۔ کہیں کہیں گندم کی فصل پک چکی تھی تاہم کمزور ہونے سبب اس کی کٹائی نہیں کی گئی تھی۔ مولانا شیر علی شاہ صاحب نے کہا کہ شاید بارش نہیں ہوئی اس لئے فصل کمزور ہے۔ یا ممکن ہے کہ اس زمین میں قوت نمونہ ہو۔ میں نے اس پر سعدی کا یہ شعر کہا

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

شیخ صاحب نے اس پر یہ شعر کہا

نقصان ز قابل است وگرنہ علی الدوام فیض سعادتش ہمہ کس را برابر است

اب اشعار کا دور اور شیخین کا مقابلہ دوبارہ شروع ہوا' دونوں طرف سے اشعار کہے جانے لگے۔ چند ایک اشعار یہ ہیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ایہا المبعوث فینا جئت بالأمر المطاع

واحسن منک لم ترقط عینی واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرأ من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہٗ اس میں بجائے عینی کے عین ُ فرماتے اور کہتے کہ اس میں کمال مدح ہے کہ کسی بھی آنکھ نے آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔

چلم گوید من دودے جہانم — چلم کش را بدوزخ مے رسانم
قلم گوید من شاہے جہانم — قلم کش را بجنت مے رسانم
سعدیا روز ازل حسن بہ ترکاں دادند — ادب و ناز کرشمہ ھمہ بمردم ہند
خوئے بدکج روی وجہل بہ افغان دادن

اغرک مني ان حبک قاتلي — وانک مهاتأمري القلب يفعل
وان تک قدساءتک مني خليفة — فسلي ثيابي عن ثيابک تنسل
بیا جاناں جاں منور کن ز رویت مجلس مارا — کہ دست افشاں غزال خوانیم و پاکوباں سر اندازیم
ہزار سال پس از مرگ او گرش بوئی — ز خاک سعدی شیراز بوئے عشق آید

دوران سفر مولانا شیر علی شاہ صاحب نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں اپنے داخلے اور تعلیمی حالات پر مبنی تفصیلی داستان سنائی۔ جو شیخ صاحب کی حیات کا اہم باب ہے وہ بھی نظر قارئین ہے۔

حقانیہ سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے داخلے کیلئے ناموں کی تجویز:

شیخ صاحب نے بات یوں شروع کی کہ میں معمولاً شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے نام آئے ہوئے مکاتیب کے جوابات تحریر کرتا تھا۔ میرے اس سفر مدینہ طیبہ کا ذریعہ لاہور کے حکیم آفتاب احمد قرشی مرحوم بنے تھے، جو شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کے فرزند تھے۔ اور مولانا سمیع الحق سے ان کا بڑا تعلق تھا۔ انہوں نے مولانا سمیع الحق کو پیشکش کی کہ آپ مجھے اپنے ادارے سے دو مستعد افراد کے نام دے دیں جنہیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ بھیجا جائے۔ میں ایک عرصہ سے مدینہ جانے اور وہاں کسی طرح اقامت کا درد دل میں لئے تھا۔ اس سے قبل میں خشکی اور بحری راہوں کی خاک چھانتے ہوئے اردن کے شہر عقبہ، ایلہ وغیرہ سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کی زیارت کر چکا تھا۔ مگر وہاں داخلہ اور قیام کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مولانا سمیع الحق کو یہ آفر ہوئی تو ایک دن مولانا سمیع الحق نے مجھے بتایا کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ والوں نے معلمین کے دو ماہا شارٹ کورس کے لئے دو مدرسین کے نام حقانیہ سے طلب کئے ہیں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ میرا نام بھی اس میں بھیجا جائے۔ کچھ دنوں بعد رمضان ۱۹۷۲ء کی بات ہے کہ میں دفتر اہتمام آیا تو حضرت شیخ الحدیثؒ، ناظم صاحب مولانا سلطان محمودؒ کے ساتھ ڈاک ملاحظہ کرنے کے لئے تشریف فرما تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت نے جامعہ اسلامیہ سے آئے ہوئے خط کو ایک سائیڈ پر رکھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ حضرتؒ چاہتے ہیں کہ میری نظروں میں نہ آئے۔ حضرت ایک تو طویل تدریسی زندگی کے بعد اس عمر میں میری طالب

علمی کو دیگر اہم خدمات کے مقابلے میں مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اور دوسرا وہ نہیں چاہتے تھے کہ دارالعلوم حقانیہ کے کسی بھی کام میں خلاء آجائے۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ نے چاہا تو مدینہ منورہ حج اور زیارات کے مواقع ملتے رہیں گے۔ شاید مولانا سمیع الحق نے میری بات حضرت شیخ الحدیثؒ کو پہنچائی تھی میں حاضر ہوا تو مختلف مکاتیب کے جوابات تحریر کیئے۔ در آخر میں نے خود حضرت سے عرض کیا کہ جی وہ جامعہ اسلامیہ والوں کو بھی کوئی جواب دینا ہوگا اس پر انہوں نے ناظم صاحب کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ ہاں وہ خط نکالو وہ خط جب میں نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ خط ہمیں بیس دنوں میں لاہور سے جامعہ اسلامیہ کے مستشار ثقافی کے دفتر سے پہنچا۔ ان دنوں پنجاب میں سیلاب آئے تھے شاید اسی وجہ سے وہ خط لیٹ پہنچا۔ میں نے خط پڑھ کر عرض کیا کہ جی اس کے لئے تو میں اور مولانا انوار الحق صاحب موزوں رہیں گے۔ اس پر مولانا صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا کہ ہاں تم تو ہر جگہ کے لئے تیار بیٹھے ہو۔ اور فرمایا ادھر مولانا مفتی فرید صاحب بھی حج کے لئے گئے ہیں اور تم بھی جاؤ تو طلباء کو چھٹی دے دو۔ میں نے ڈرتے ہوئے عرض کیا کہ جی دو مہینے ہی کی تو بات ہے اس بہانے ہم دونوں حج اور عمرہ ادا کرلیں گے۔ مولانا صاحب کچھ توقف کے بعد مان گئے۔ اور کہا کہ خط کا جواب لکھو۔ میں نے حضرت سے کہا کہ جی یہ خط کافی لیٹ ہو چکا ہے۔ جواب کے بجائے فون پر بات کرنی چاہئے۔ مولانا صاحب نے اس بات کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ میری طرف سے فون ملا کر بات کرو۔ اس زمانے میں ڈائریکٹ ڈائلنگ کی سہولت نہ تھی۔ ایکسچینج کے توسط سے نمبر ملائے جاتے تھے۔ میں نے اکوڑہ ایکسچینج ملاتے ہوئے لائن مین امیر علی قریشی مرحوم سے کہا کہ لاہور کا یہ نمبر ملایئے تو اس نے ادھر سے جواب دیتے ہوئے کہا با جی آپ کو پتہ نہیں کہ سیلاب آئے ہیں لائنیں خراب ہیں۔ میں نے اسے کہا کہ قریشی صاحب مدینہ منورہ کا کام ہے اگر ہو گیا تو تمہارے لئے وہاں جا کر دعا کریں گے۔ اس پر لائن مین نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے تو کراچی کے لائن سے آپ کو ملا دیتا ہوں۔ اس طرح ٹیلی فون مل گیا میں نے بجائے اردو کے عربی میں مدیر مکتب کے بارے میں کہا کہ ابغی الشیخ خالد الحمدان، تو وہاں متعلقہ شخص نے مدیر مکتب کو فون تھمایا۔ جب اسے پتہ چلا کہ جامعہ حقانیہ کا مدیر بول رہا ہے تو اس نے بڑی توجہ اور محبت کے ساتھ سلام اور دعا کی۔ پھر اس نے خود ہی کہا کہ ابھی تک آپ کی طرف سے دو نام نہیں آئے۔ انہیں ٹیلی فون پر ہمارے نام دیئے گئے دفتر والوں نے کہا کہ ان کو کل یا پرسوں تک بمع اٹسٹڈ اسناد کے لاہور بھیج دیں۔ ٹیلی فون پر بات کرنے کے بعد میں نے اپنے اور مولانا انوار الحق کے اسناد اٹھائے اور نوشہرہ میں اودھ کمشنر سے اٹیسٹ کروائے۔ واپس آکر مولانا انوار الحق سے کل لاہور جانے کا پروگرام طے کرنا چاہا تو اس نے بتایا کہ میں کل ہی تو لاہور سے آیا ہوں لہذا بہتر یہ ہے کہ آپ میرے اسناد بھی ساتھ لے جا کر جمع کروا دیں انہوں نے مجھے اپنا بریف کیس بھی دیا کہ اس میں اسناد رکھئے اس طرح محفوظ رہیں گے۔ شیخ صاحب نے دوران گفتگو کہا کہ اس زمانے میں ہماری غربت کا یہ عالم تھا کہ میرے پاس بریف کیس تک نہ تھا۔ اگلے دن میں لاہور پہنچا

وہاں دیگر مدارس سے آئے ہوئے مدرسین سے بھی ملاقات ہوئی۔اسی دن مدیر مکتب شیخ خالد نے ہمارا انٹرویو اور امتحان لیا۔میرا انٹرویو لینے کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ کا سلیکشن تو ہوگیا آپ کا دوسرا ساتھی کدھر ہے اور کیوں نہیں آیا میں نے ان سے کہا کہ وہ مدرسہ کے کام مصروف تھے اس لئے نہ آسکے۔اس پر انہوں نے پوچھا کہ اس کی عربی کیسی ہے تو میں نے جواب میں کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ اچھا بولتا ہے۔اب انہوں نے مطمئن ہوکر مولانا انوار الحق کی سلیکشن بھی کروادی۔اور مجھے بتایا کہ آپ لوگ دو تین دن تک لاہور ہی میں رہیں اس دوران آپ لوگوں کے جانے کے انتظامات ویزہ اور ٹکٹوں وغیرہ کا بندوبست ہوجائے گا آپ کو یہی سے کراچی بھیجا جائے گا۔

اس پر میں نے مدیر مکتب سے کہا کہ میں نے تفسیر شروع کررکھی ہے جتنے دنوں تک ہمارے جانے کا پروگرام تشکیل پاتا ہے اتنے دن تک میں تفسیر پڑھالوں گا۔اس دوران ہمارے مدرسے کا نمائندہ روزانہ آپ کے دفتر سے رابطہ میں رہے گا۔سوانہوں نے اجازت دی۔بعد میں میں نے اپنے کسی شاگردی کی ڈیوٹی لگائی' جو ان دنوں وہیں تھا کہلوایا کہ اس دفتر سے رابطہ میں رہیں۔ میں نے واپس آکر دو تین نئے جوڑے سلوائے۔مولانا انوار الحق کو بھی میں نے تیاری کرنے کا کہا۔کچھ دنوں کے بعد ہمارا شیڈول اس طرح مرتب ہوا کہ براستہ کراچی سعودی ائیرلائن سے ہمیں جانا ہے ۔مولانا انوار الحق کو شیڈول سے آگاہی دی' تو انہوں نے بعض ذاتی گھریلو اور مدرسے کی ذمہ داریوں کی بنیاد پر نہ جانے کا فیصلہ کیا۔میں پروگرام کے مطابق لاہور دفتر پہنچا تو انہوں نے مجھ سے دوسرے ساتھی کے بارے میں پوچھا میں نے ان سے بہانہ کیا کہ وہ بیمار ہے اس پر انہوں نے کہا کہ وہ تو ہمارا طالب علم ہے ان کو لاؤ تاکہ اس کا علاج کروائے۔آخر میں نے انہیں کھل کر واضح طور پر بتایا کہ وہ نہیں جاسکتے۔اب انہوں نے متبادل مانگا میں نے دارالعلوم حقانیہ کے فاضل مولانا عبدالقہار کا نام پیش کیا جو انہوں نے قبول کیا تاہم اس کے پاس پاسپورٹ نہ تھا اور وہ مقررہ مدت کے اندر پاسپورٹ نہ پیش کرسکا۔ہمارے ایک دوسرے ساتھی سید اصغر علی شاہ صاحب نے بھی مجھ سے کافی اصرار کیا کہ میرا نام متبادل طور پر دیا جائے لیکن میں نے انہیں سمجھایا کہ متبادل کے لئے حقانیہ کا فارغ التحصیل اور حامل سند ہونا شرط ہے۔بہرصورت اسطرح دوسری سیٹ ضائع ہوگئی۔

مدینہ منورہ کی روانگی:

مجھے رمضان کے آخری عشرے میں کراچی بھیجا گیا جہاں دو تین دن میں مولانا عبداللہ کاخیل مرحوم کے ساتھ مقیم رہا۔عید کے ایام قریب تھے' مجھے اس نے عید پاکستان میں گزارنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے اسے کہا کہ جیسے بھی ہو میں پاکستان سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچنا چاہتا ہوں۔میرا شوق اور جذبہ بڑے عروج پر تھا اس لئے کہ اس سے قبل میں بری راستے سے حرمین شریف بڑے مصائب اور تکالیف کاٹ کر پہنچا تھا۔کراچی میں سعودی ائیرلائن والوں نے مجھے براستہ ریاض ٹکٹ دیا۔ریاض سے آگے جدہ مجھے دو دن بعد جانا تھا۔تاہم کراچی [illegible] جب میں جہاز میں سوار ہوا

تو میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک عرب بیٹھا۔ جس نے میرے ساتھ گفتگو کی اور میرے سفر کی نوعیت کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اسے اپنے جانے کا مقصد بیان کیا تو وہ بڑا خوش ہوا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ کراچی میں اس نے ایک مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھی۔ وہ بڑا زبردست مقرر تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ مولانا احتشام الحق تھانوئ تھے۔ اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ وہ وزارت پٹرولیم میں آفیسر ہے۔ میں نے اس سے درخواست کی کہ میرا ٹکٹ ریاض کا ہے۔ ریاض سے قبل جہاز دمام میں اترے گا۔ آپ اگر میرا ٹکٹ ریاض کے بجائے جدہ کردیں تو نہایت مشکور رہوں گا۔ اس نے کہا کہ یہ کونسی مشکل بات ہے۔ دمام ائیرپورٹ پر اتر کر اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا کہا اس کے استقبال کے لئے کافی افسران اور خدام آئے تھے۔ وہ مجھے سعودی ائیر لائن کے دفتر لے گئے۔ جہاں معلوم ہوا کہ دمام سے جدہ کیلئے دو گھنٹے کے بعد فلائٹ ہے۔ اس نے اپنے اثر رسوخ سے میری فلائٹ بجائے ریاض کے جدہ کردی۔ میں نے دمام کے ایئرپورٹ کی مسجد میں غسل کر کے احرام پہنا' اور دو رکعت نماز پڑھ کر عمرہ کی نیت کی۔ اور ذکر واذکار میں مصروف رہا' اذان فجر کے وقت جدہ پہنچا اس وقت جدہ کا پرانا ایئرپورٹ جدہ کے قریب تھا۔ ایئرپورٹ کے متعلقہ امور سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو لوگ فجر کی نماز ادا کر چکے تھے۔ میں نے بھی ایک جگہ جائے نماز بچھا کر نماز پڑھی۔ پھر مکہ معظمہ پہنچ کر مناسک عمرہ ادا کئے اور عازم مدینہ ہوا۔ زیارت سے فراغت پر جامعہ پہنچا۔

جامعہ اسلامیہ کے کلیۃ الشریعۃ میں داخلہ:

مئیں پاکستان سے جانے والے ساتھیوں میں سے جامعہ اسلامیہ پہنچنے والا پہلا فرد تھا۔ وہاں پہنچ کر نہوں نے مجھے کہا کہ تمہاری عمر مقرر کردہ حد سے متجاوز ہے۔ اور میرے کاغذات پر لکھا سنہ قد تجاوز من لسن المحدود للالتحاق اس پر میں نے رئیس الجامعہ معالی الشیخ عبدالعزیز بن باز سے رابطہ کیا تو اس نے میری درخواست پر لکھا یسامح بأمثال هؤلاء اس کے بعد جب میں مدیر داخلہ کے پاس گیا تو اس نے مجھے لغت عربی میں داخل کرانا چاہا۔ میں۔ اس کے ساتھ اس بات پر تکرار کیا کہ ہم تو الحمدللہ عربی پر اتنا عبور رکھتے ہیں کہ اپنے بلاد میں طلباء کو پڑھاتے ہیں۔ اس دوران ہماری یہ باتیں وہاں قریب بیٹھے جامعہ اسلامیہ کے استاد شیخ مجذوب جو شام کا رہنا والا عالم اور شاعر تھا سن رہا تھا۔ اس نے ہمارے بیچ آ کر مدیر کو سمجھایا کہ یہ طالب علم صحیح کہہ رہا ہے' اس کی باتوں سے تمہیں عربی میں اس کی مہارت معلوم نہیں ہو رہی ؟ اس طرح مجھے کلیۃ الشریعہ میں داخلہ مل گیا۔ اور بعد میں میری وجہ سے دیگر پاکستان سے آنے والے آٹھ افراد کو بھی کلیۃ الشریعہ میں داخلہ دلوایا گیا۔ ہمارے ساتھیوں میں صرف ایک طالب علم مولوی بشیر صاحب جو آج کل اسلام آباد سے ''نداء الاسلام'' نامی رسالہ نکالتا ہے نے کلیہ الدعوۃ واصول الدین میں داخلہ لیا۔

اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ میں کلیۃ شرعیۃ اور کلیہ الدعوہ واصول الدین ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ

دیگر کلیات نہ تھے۔ کلیۃ الشریعہ میں چار برس تک پڑھنے کے بعد اس کی تکمیل۔ تو پھر کہیں جامعہ والوں نے ہمیں واپس بھیجنا چاہا۔

ماجستیر میں داخلہ: اس دوران جامعہ میں ماجستیر شروع ہوا۔ اس کے داخلے کے لے نوٹس بورڈ پر شیڈول جاری ہوا۔ اس زمانے میں مولانا مصطفیٰ حسن صاحبؒ جو دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ میں سے تھے وہ بھی وہیں پڑھتے تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ کیوں نہ ہم بھی ماجستیر میں داخلے کیلئے اپنے نام بھیجیں۔ لیکن اس نے میری بات کو رَدّ کرتے ہوئے کہا کہ ماجستیر میں صرف سعودیوں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ درخوست دینے میں کیا حرج ہے۔ لیکن باوجود اس کے وہ نہ مانا۔ میں نے اپنی طرف سے درخواست لکھ کر جمع کی۔ ایک ہفتے بعد اعلان ہوا کہ ماجستیر میں داخلے کے لئے شفوی امتحان فلاں تاریخ کو ہوگا۔ مقررہ دن پر میرا امتحان بھی لیا گیا میرے ممتحن نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے تفسیر میں کیا پڑھا ہے؟ اس کا مطلب جامعہ کے کلیۃ الشریعہ میں پڑھنے کے اعتبار سے تھا میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ میں نے اسے جوابا کہا تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی ہے۔ وہ اس جواب پر بڑا خوش ہوا۔ اس نے مجھ سے سوال کیا کہ ویدرؤ عنہا العذاب کا کیا معنی ہے۔ میں نے جواب میں یدفع عنہا العذاب کہا۔ اور مزید وضاحت کے لئے حدیث بیان کی کہ ادرء الحدود ما استطعتم پھر اس نے دوسرا سوال کیا کہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة امر کا صیغہ ہے اور امر کا معنی ہے قول القائل للمخاطب علی سبیل الاستعلاء افعل؛ یہاں تو انسان اللہ سے کم تر عاجز ومخلوق ہے۔ تو پھر امر کا معنی کس طرح صحیح ہوگا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ امر کے سولہ معانی ہیں۔ بہر صورت اس طرح میرا امتحان مکمل ہوا۔ بعد میں مولانا مصطفیٰ حسن نے مجھ سے امتحان کے بارے میں پوچھا میں نے اسے ساری صورتحال سے آگاہی دی۔ کچھ دنوں بعد ماجستیر کے داخلے میں کامیاب طلباء کی فہرست آویزاں ہوئی پاکستان سے گئے ہوئے ہمارے ۹؍افراد کی جماعت میں سے صرف میرا داخلہ ہوا۔ ماجستیر میں ہمارا وظیفہ بھی بڑھ گیا۔ ہم ماجستیر میں پڑھ رہے تھے کہ اس دوران جامعہ میں دکتورا بھی شروع ہو گیا۔ جب ہم نے ماجستیر کی تکمیل کی تو میں نے دیکھا کہ جامعہ اسلامیہ کے غیر ملکی طلباء کے کاؤنٹر پر میرا پاسپورٹ رکھا ہوا ہے۔ میں نے جب واپسی کا تصور کیا تو غم اور خفگی کی کوئی حد نہ رہی۔ شیخ عبداللہ العقلا اس زمانے میں وکیل شؤن الحرمین تھے اس کے ساتھ میری شناسائی اور ربط وتعلق اس وجہ سے کافی پُرانی تھی کہ میں دوران حج وعمرہ حرم شریف میں پاکستان وہندوستان سے آئے ہوئے حجاج کو مناسک حج بیان کرتا تھا۔ میں اور دیگر ماجستیر مکمل کرنے والے غیر ملکی طلباء جن کے بارے میں خروج کا فیصلہ ہوا تھا' اس کے پاس گئے اور انہیں اپنی خواہش سے آگاہ کیا کہ ہم یہاں سے دکتورا کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ہمارے بلاد میں اس ترتیب سے اسباق اور دکتورا نہیں ہوتے۔ انہوں نے جامعہ اسلامیہ کے رئیس سے ہماری سفارش کی جو انہوں نے قبول کی۔ اور ہمیں دکتورا کے داخلہ امتحان میں بٹھایا گیا۔ جن آٹھ غیر ملکی طلباء کی

سفارش وکیل شؤن حرمین نے کی تھی ان میں چار کامیاب ہوئے جن میں ایک میں بھی تھا۔اس طرح چار سال دکتورا میں لگے۔

<u>دکتورا کے رسالہ تفسیر حسن بصری کا مناقشہ:</u> جب میں نے دکتورا کا رسالہ تفسیر حسن بصریؒ مکمل کیا تو جامعہ نے میرے مناقشے کیلئے دکتور ربیع ہادی مدخلی کو مقرر کیا۔موصوف کو میں پاکستان کے دورے پر آنے کے موقع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی حیات میں دارالعلوم حقانیہ بھی لایا تھا۔میں نے اپنا رسالہ اس کے پاس جمع کیا۔جامعہ کا دستور یہ تھا کہ جب رسالے کی تکمیل ہوجاتی تو طالب علم پر وظیفہ بھی بند کردیا جاتا۔کچھ عرصہ گزرنے کے بعد رمضان کے مہینے میں حرم شریف میں میرے مشرف نے مجھے اطلاع دی کہ دکتور ربیع ہادی مدخلی نے آپ کے رسالے کے مناقشے سے انکار کیا۔میں اس پر بڑا خفا ہوا کہ اتنا عرصہ میرا رسالہ عبث روکا گیا اگر انکار کرنا ہی تھا تو ابتداء سے کردیتے۔میں اسی وقت حاجی انعام اللہ آف شبقدر مقیم مدینہ کو ساتھ لے کر ان کی مسجد جویریہ عثمان کے قریب تھی گیا۔ظہر کی نماز میں نے اس کی امامت میں پڑھی۔میں نماز کے بعد اس کے گھر گیا۔ملاقات کے بعد اس سے اپنے رسالہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ في صالحك أن لاناقش رسالتك، مجھے بڑی حیرت ہوئی اور اسے کہا کہ آپ مجھے یہ لکھ کردے۔اس نے رئیس جامعہ کے نام لکھ کردیا أني لا اناقش رسالة الشيخ شيرعلي شاه واني مستعد لای رسالة اخرى، میں صبح رئیس کے پاس یہ تحریر لے کے گیا تو وہ مجھ پر الٹا غصہ ہوکر برسا اس نے کہا کہ تم بار بار اس کے گھر جاتے ہو اس لئے اس نے تمہارے رسالہ کے مناقشہ سے انکار کیا۔میں نے اسے بتایا کہ واللہ میں دو دفعہ کے علاوہ اس کے گھر گیا ہی نہیں ہوں۔پہلی دفعہ رسالہ جمع کرنے کیلئے اور آخری دفعہ کل رسالہ واپس لینے کیلئے۔رئیس نے مجھے کہا کہ اگلے جلسے میں ہم آپ کا رسالہ کسی دوسرے استاد کو دیں گے۔پھر میرے رسالہ کا مناقش حماد سلامی بحیری مقرر کئے گئے' جو مصر کے رہنے والے تھے۔اس نے مجھے بتایا کہ پہلے میری آنکھوں کا آپریشن ہوگا اس کے بعد جب ٹھیک ہوجاؤں گا تو پھر تمہارے رسالے کو دیکھوں گا۔اسکے بعد مناقشہ ہوگا۔تقریباً ڈیڑھ سال اسی میں گزرا۔اس کا مناقشہ بھی ہر اعتبار سے سخت اور مشکل تھا۔سارا مناقشہ کیسٹوں میں محفوظ ہے۔ہر ہر بات کی وہ جڑ ڈھونڈتا اور اعتراضات کرتا۔اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بھی کامیابی سے نوازا۔اور میں پہلی پوزیشن کے ساتھ کامیاب ہوا۔جبکہ دکتور عمر یوسف جس نے تفسیر حسن بصری کا پہلا حصہ مکمل کیا ہے جو آج کل حرم مدینہ منورہ میں مؤذن ہے اس نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔دکتورا کی تکمیل کے بعد شیخ احمد زہرانی جو شؤن الدعوہ کے مدیر تھے' نے ہماری تعیناتی وزارت عدل میں کروادی۔وہاں ہمارا کام ترجمانی کرنا تھا۔اس ملازمت میں ہمیں مشاہرہ بھی کافی ملتا۔لیکن میں مطمئن نہ تھا۔اس لئے کہ یہ ساری علمی تگ و دو ہم نے ترجمان بننے کیلئے تو نہ کی تھی۔اسی وجہ سے ہمیں کئی دن تک نیند بھی نہیں آئی۔آخر شیخ زہرانی کے پاس ہم دوبارہ گئے تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ

یہاں پر خوش نہیں تو پھر آپ کو پاکستان کے کسی دینی مدرسے میں تدریس کے لئے بطور مبعوث بھیجا جائے گا۔ میں اس پر بڑا خوش ہوا اور میں نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے دارالعلوم حقانیہ بھیجا جائے۔ لیکن انہوں نے بتایا کہ ہم اسی طرح آپ کو نہیں بھیج سکتے لانرسل مبعوثنا الابا الطلب ہمارے پاس پاکستان کی فائل ہے اس کو منگوا کر دیکھتے ہیں کہ کن کن مدارس نے ہم سے اساتذہ طلب کئے ہیں۔ فائل منگوائی گئی تو اس میں پاکستان کے دو مدارس دارالعلوم کراچی اور جامعہ ابی بکر کراچی کی طرف سے طلب آئی تھی۔ انہوں نے مجھے ان دو میں سے کوئی ایک منتخب کرنے کا اختیار دیا۔ میں نے دارالعلوم کراچی کو ترجیح دی۔ اس طرح مجھے پاکستان میں تعینات کر کے بھیجا گیا۔ یہاں جب واپس آیا تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً) کو خبر ہوئی تو وہ بڑے خفا اور ناراض ہوئے۔ بعد میں میں نے ان کو ساری صورتحال تفصیل سے بتائی کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اپنی طرف سے خود حقانیہ کیلئے درخواست لکھ جمع کرتا۔ انہوں نے پھر مطمئن ہو کر فرمایا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ سے مانگوں گا کہ تمہیں حقانیہ لے آئے۔ دارالعلوم کراچی میں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شیخ احمد زہرانی پاکستان کے دورے پر کراچی آیا تو اس نے میرے نام رقعہ بھیجا کہ فلاں جگہ آ کر مجھ سے ملو میں ملاقات کیلئے اپنے ہمراہ حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان کو بھی لے کر گیا۔ اس نے شیخ زہرانی کو کافی تحفے تحائف دیئے اور ساتھ ہی اس سے درخواست کی کہ مجھے جامعہ احسن العلوم میں تعینات کرے۔ دارالعلوم کراچی میں کافی شیوخ ہیں ہمارا مدرسہ احسن العلوم اس اعتبار سے یتیم ہے۔ انکی ہمارے ہاں کافی ضرورت ہے۔ شیخ زہرانی نے جاتے ہی میرا تبادلہ جامعہ احسن العلوم کراچی کر دیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے مرض وفات میں مولانا منصور الرحمان صاحب (جو شیخ الحدیث مولانا زرولی خان صاحب کے خصوصی رفقاء میں سے ہیں) انکی عیادت کیلئے ہسپتال گئے تو انہوں نے میرے بارے میں ان سے تفصیلی پوچھا کہ کون کونسی کتابیں پڑھاتا ہے اور پھر اس مجلس میں فرمایا کہ ہم بھی اللہ سے مانگیں گے کہ شیر علی شاہ حقانیہ واپس آئے' کچھ عرصہ بعد سعودی سفیر کے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے مولانا جلال الدین حقانی نے منبع العلوم میرانشاہ میں میری تعیناتی کروائی۔ آخر کار شوال ۱۴۱۷ھ میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی کوششوں سے دارالعلوم حقانیہ میری واپسی ہوئی۔ یقیناً یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے منہ کا گفتہ تھا جو سچ بن کر سامنے آیا۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید — گفتہ او گفتہ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مولانا شیر علی شاہ صاحب کے داستان کے دوران راستہ میں فریمان شہر سے گزر ہوا۔ یہ چھوٹا سا صاف ستھرا شہر تھا اور آگے کاریز کا علاقہ آیا۔

(جاری ہے)